میرزا ادیب کے ڈراموں میں آزادی کی تحریکیں

ڈاکٹر عبدالرحیم عبدالغنی محمد
ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو، جامعہ ازہر، مصر

ڈاکٹر اسامہ محمد شلبی
اسسٹنٹ پروفیسر اردو، جامعہ ازہر، مصر

FREEDOM MOVEMENTS IN MIRZA ADEEB'S PLAYS

Abdul Rahim Abdul Ghani Mohammed, PhD
Associate Professor of Urdu
Al-Azhar University, Egypt

Usama Mohammed Shalaby, PhD
Assistant Professor of Urdu
Al-Azhar University, Egypt

Abstract

Mirza Adeeb is a famous writer of Urdu. He has written fiction, pen sketches and edited literary magazines. He is also known for his play writing. His plays not only cover Pakistani society's issues but also focus international issues especially of Arab world's freedom movement. This article is a study of Mirza Adeeb's two plays namely 'Fatima Barnavi' and 'Jamila'. The study also focuses the women's role in the fight against the brutal occupying forces and depicts their valor very successfully.

Keywords:

مرزا ادیب، فلسطین، الجزائر، تحریک آزادی، فاطمہ برناوی، جمیلہ بوحیرد

دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح اردو ادبیات کی تاریخ میں بھی افسانوی ادب کے نقوش نمایاں ہیں۔ اردو میں افسانوی ادب کے قدیم ترین نمونے داستان اور دیومالائی کہانیوں کی شکل میں ملتے ہیں۔ مثنویات، تماثیل اور دیگر اصناف بھی قصہ پن یا افسانوی عناصر سے خالی نہیں ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اردو کے افسانوی ادب میں ترقی ہوئی اور داستانوں کی جگہ ناول، افسانہ اور ڈراما نے لے لی اور آج اردو کا افسانوی ادب عالمی ادبیات میں اپنی جگہ بنا چکا ہے۔ اس نے برصغیر کے مسلمانوں میں اجتماعی روح پیدا کرنے، ان کے ملی، قومی اور عصری تقاضوں کے شعور کو بیدار کرنے اور اسے تقویت دینے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں بہت سے دوسرے معاشروں اور اقوام کے مسائل اور جدوجہد کا سراغ بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

اردو کے افسانوی ادب میں تخیلی اور طلسماتی ماحول کی جگہ زندگی کا حقیقی ماحول لے چکا ہے، اور اس کے موضوعات ومضامین متنوع ہیں۔ اردو کے افسانے، ناول اور ڈرامے میں انیسویں صدی کے رومانوی اور بیسویں صدی کے مزاحمتی رنگ کے ساتھ نئے موضوعات اور تصورات وخیالات کی راہ ہموار ہوئی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان اصنافِ ادب سے اردو ڈراما ایک قدم آگے ہے کیونکہ اس دور کے ڈرامے اردو کی ادبی روایت کا اہم حصہ رہے ہیں، ان کو محفوظ رکھنا اور ان کا ادبی مطالعہ اردو زبان وادب کے محققین کا علمی فریضہ ہے۔

ادب اپنے عہد کا ترجمان ہوتا ہے۔ مختلف ادوار میں مقتدر طبقے کے خلاف بغاوتیں برپا ہوئیں۔ جب بھی انسانی حقوق کی پامالی کی گئی چاہے وہ سیاسی سطح پر ہو، معاشرتی یا مذہبی لحاظ سے، ردعمل صرف سیاسی سطح پر ہی نہیں بلکہ ثقافتی اور ادبی سطح پر بھی مختلف تحریکوں کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ادب میں بھی ردعمل کے طور پر مزاحمتی ادب تشکیل پاتا رہا۔ ڈاکٹر قمر رئیس اپنے مضمون ”پاکستانی ادب میں احتجاج کی آواز“ میں لکھتے ہیں:

> ”جب کوئی قوم غلامی یا ظلم واستحصال کی جارحانہ قوتوں کے خلاف جدوجہد کرتی ہے تو اس کے ادب میں بھی اس صورتحال کا انعکاس فطری ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ادب کے تخلیقی سرچشمے قومی زندگی کی واردات اور اجتماعی حوادث وحالات سے پھوٹتے ہیں اور ادب کی شخصیت کے حوالے سے ایک ارتقائی لہجہ اختیار کرتے ہیں۔“(۱)

بین الاقوامی سطح پر مضبوط اور طاقتور اقوام کمزور اقوام کا استحصال کرتی چلی آئی ہیں اور ان استحصالی قوتوں کے خلاف جدوجہد میں مزاحمتی عمل بھی جاری وساری ہے۔ جناب ابرار احمد کہتے ہیں:

> ”مزاحمت کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی جبر کی .... ادب میں مزاحمت کی تقریباً اتنی ہی صورتیں دیکھی اور دکھائی جا سکتی ہیں جتنی جبر و استبداد کی ہیں۔ “(۲)

میرزا ادیب ہمہ جہت ادیب ہیں، جنھوں نے تخلیق کے تمام اسالیب اور قرینوں کو برتا۔ ابتدا شاعری سے کی، قلم طولانی پر مائل ہوا تو رومانی تخیل نے صحرا نورد کا روپ دھارا۔ افسانے لکھے، ڈرامے پیش کیے، ناول لکھا، سفرنامہ اور بچوں کے ادب کا بسیط سرمایہ ادب کی جھولی میں ڈال دیا۔ وہ صاحبِ اسلوب نثر نگار ہیں، ان کا شمار اردو دنیا کے مقبول ترین ادیبوں میں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کہتے ہیں:

> ”میرزا ادیب اردو کے ان معدودے چند ادیبوں میں سے ہیں جن کی تحریریں خواہ ان کا تعلق افسانے سے ہو یا ڈرامے سے، اداریوں سے ہو یا ادبی شذرات سے، خودنوشت سے ہو یا مضمون نویسی سے، یکساں دلچسپی کے ساتھ گزشتہ پچاس سال سے پڑھی جا رہی ہیں اور ابھی تک ان کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔ “(۳)

میرزا ادیب کے تخلیقی سرمائے میں ڈراما نگاری کو خاص اہمیت حاصل ہے، انھوں نے بہترین ڈرامے تخلیق کیے جو اپنے مضامین اور ہیئت کے اعتبار سے اردو ادب میں بے مثال حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے فن پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر سلیم اختر کہتے ہیں:

> ”گزشتہ دو دہائیوں سے میرزا ادیب نے خود کو بطور خاص ڈراما کے لیے وقف کر رکھا ہے اور ڈراموں کے نصف درجن مجموعے ان کی فن کارانہ کاوشوں کا زندہ ثبوت ہیں --- ان ڈراموں کو قومی اور بین الاقوامی تناظر میں دیکھا جائے تو ہم عصر معاشرے کے دکھی افراد کے مرقعے اور استعمار کے خلاف جدوجہد میں مصروف اقوام کے جذبہ حریت کی تصویر کشی بھی کی گئی ہے۔ “(۴)

میرزا ادیب ۴ اپریل ۱۹۱۴ء بہ مقام محلّہ ستھان، لاہور میں پیدا ہوئے۔ اصل نام دلاور علی تھا، اور والد کا نام میرزا بشیر علی تھا جو پیشہ کے اعتبار سے درزی تھے، والد کو اپنے بیٹے کی تعلیم سے دلچسپی نہ تھی۔ دادی نے ایک بڑھئی کے سپرد کر دیا، جس کی چلم توڑ کر میرزا ادیب ایسے بھاگے کے پھر واپس مڑ کر نہ دیکھا۔ پھوپھا نے رحم کھا کر میونسپلٹی کے اسکول میں داخل کروایا اور ماں نے جھڑکیاں سہہ کر بیٹے کی تعلیم جاری رکھی۔ میرزا ادیب نے اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ ابتدا میں شاعری کو ذریعہ اظہار بنایا مگر پھر نثر کو اپنی شناخت بنا کر اردو ادب کی خدمت پر کمربستہ ہو گئے۔ ۱۹۳۵ء میں ”ادب لطیف“ کی ادارت سنبھالی اور سترہ برس تک ”ادب لطیف“ کو درجہ اول کا پرچہ بنائے رکھا۔ ۱۹۴۰ء میں شادی ہوئی۔

۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۳ء ہفت روزہ “مصور” بمبئی کی ادارت کی۔ ۱۹۴۳ء میں چند ماہ رسالہ “حسن پرست” لاہور کے مدیر رہے۔ اور ۱۹۴۸ء تا ۱۹۶۵ء “ادب لطیف” کی مکرر ادارت سنبھالی۔ ۱۹۷۷ء تا دم آخر روزنامہ “نوائے وقت” میں “اذکار وافکار” کے عنوان سے کالم نگاری کرتے رہے۔ ۳۱ جولائی ۱۹۹۹ء کو میرزا ادیب لاہور میں وفات پا گئے۔ (۵) آنسو اور ستارے، لہو اور قالین، ستون، فصیل شب، پاکستان کو سلام، پس پردہ وغیرہ ان کے مشہور ڈرامے ہیں۔ ان کے اعزازات میں سے یہ ہیں: پرائڈ آف پرفارمنس 1981ء، پاکستان رائٹرز گلڈ آدم جی ایوارڈ اور فلم گریجویٹ ایوارڈ۔

اردو ادب میں ڈرامہ نگاری کی صنف میں میرزا ادیب ایک معتبر حوالہ ہیں انھوں نے اردو ڈرامے کو جس بلندی سے ہمکنار کرایا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ میرزا ادیب کے ڈراموں کے مختلف مجموعے اردو نثر کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ آزادی کی تحریکوں کے حوالے سے ڈراما نگاری میں بھی میرزا ادیب سرفہرست ہیں بطور خاص ان کے یک بابی ڈراموں پر مشتمل مجموعے “فصیلِ شب” میں شامل دو ڈرامے “جمیلہ” اور “فاطمہ برناوی” خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ دونوں ڈرامے آزادی کی تحریکوں میں خواتین کی بھرپور شمولیت کی عکاسی کرتے ہیں۔

ذیل میں میرزا ادیب کے ان دونوں ڈراموں کے موضوعات اور ان کی پیش کش کو تفصیل سے زیر بحث لایا جاتا ہے۔

تحریک آزادی فلسطین کے حوالے سے ڈراما نویسی میں میرزا ادیب کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے، بلکہ مسئلہ فلسطین کے حوالے سے ڈراما نگاری میں بھی ان کا نام سرفہرست ہے، بطورِ خاص ان کے یک بابی ڈراموں پر مشتمل ایک مجموعے “فصیل شب” میں شامل ڈراما “فاطمہ برناوی” خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

یہاں اس بات کا اشار کرنا ضروری ہے کہ اس ڈرامے کا نام “فاطمہ برناوی” میرزا ادیب نے ایک حقیقی شخصیت فاطمہ برناوی کے نام پر رکھا جو فلسطین کی ایک نامور اور زندہ جاوید مجاہدہ ہیں۔

فاطمہ برناوی ۱۹۳۹ء میں قیام اسرائیل سے پہلے مقبوضہ بیت المقدس میں پیدا ہوئی۔ کرنل فاطمہ برناوی کا خاندان نائیجیریا سے تھا جس نے امین الحسینی کے ساتھ ۱۹۳۶ء کے فلسطینی انقلاب میں شرکت کی۔ اس سے قبل وہ فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ آئے تھے اور واپسی پر بیت المقدس گئے تھے۔ انھوں نے مسجد اقصی کے باب مغاربہ کے قریب اپنا گھر بنایا۔ قیام اسرائیل کے بعد فاطمہ کے والدین کو اردن کی طرف ہزاروں خاندانوں کے ساتھ ہجرت کرنا پڑی۔ یہیں فاطمہ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر وہ اعلی تعلیم کے لیے دو سال تک سعودی عرب میں مقیم رہی۔ تعلیم ختم ہونے کے بعد اپنے وطن فلسطین واپس آ گئی۔ فلسطین میں اسرائیلی فوج کی تباہی و بربادی کی وجہ سے فاطمہ برناوی نے ایک

امدادی ادارے میں شمولیت اختیار کی اور قلقیلیہ شہر میں بے گھروں کی فلاحی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئی۔ ۱۹۶۳ء میں صہیونی فوج نے اس شہر کو غارت کردیا تو یہ حادثہ فاطمہ برناوی کے لیے ایک نیا موڑ ثابت ہوا، جہاں سے اس نے اپنی دو بہنوں کے ساتھ تحریک آزادی فلسطین میں حصہ لینے کے لیے تنظیم فتح میں شمولیت اختیار کی۔ اسرائیلی فوج کے خلاف اس کی مسلح جد وجہد کی تاریخ بھرپور ہے۔ اس نے اسرائیلی دشمن کے خلاف فتح تحریک کی کئی مسلح کارروائیوں میں شرکت کی۔ فاطمہ سے پہلے صرف دو فلسطینی خواتین اسرائیلی جیلوں میں قید تھیں۔ وہ اسرائیلی جیلوں میں فتح تحریک کی پہلی گرفتار خاتون تھی۔ اس کو حراست میں لے کر اس کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ اسرائیلی اٹارنی جنرل نے اس سے کہا کہ وہ اسرائیل کے سپاہیوں کے خلاف مسلح کارروائیوں کی ذمہ داری کا اعتراف کرے۔ فاطمہ نے گناہ قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس نے بیان دیا کہ جو کچھ اس نے کیا ہے وہ اپنے وطن کی آزادی کے دفاع میں کیا لیکن اسرائیلی ظالم عدالت نے فاطمہ کو دس سال قید کی سزا سنائی، قید کی سزا کی مدت گزرنے کے بعد فاطمہ کی زنجیریں ٹوٹ گئیں۔ اس کے بعد یاسر عرفات مرحوم نے اس کو فلسطین میں خواتین پولیس فورس کے قیام کی ذمہ داری سونپی اور اسے کرنل کا عہدہ دیا۔ (۶)

میرزا ادیب اردو کے ایک صاحب اسلوب نثر نگار تھے۔ انھوں نے بہترین ڈرامے تخلیق کیے ان کے ڈراموں میں عورت اپنے ہر روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ کبھی ماں، کبھی بیوی اور کبھی وہ مجاہدہ جو میدان جنگ میں خطرناک حالات کا مقابلہ کرتی ہے اور اس سلسلے میں ان کے ڈرامے (فاطمہ برناوی) کو بڑی منزلت نصیب ہوئی۔ اس ڈرامے کا اہم کردار فاطمہ ہے جو فلسطین کے مجاہدین اور شہدا کے عزم وہمت کا استعارہ بن کر سامنے آئی۔

ڈرامے کے اہم کردار یوں ہیں: سلمان غنی (ایک فلسطینی معلم)، عمارہ (سلمان غنی کی بیوی)، ذکیہ (ان کی بیٹی)، فاطمہ (فلسطینی کی بہادر اور جانثار لڑکی تحریک الفتح کی روح رواں) سہیل (تحریک الفتح کا ایک راہنما) یہودی کیپٹن فروغی، یہودی کرنل، نعمان اور حاکم۔

ڈرامے کا آغاز سلمان اور عمارہ کی گفتگو سے ہوتا ہے۔ سلمان غنی ایک اسکول میں استاد ہے۔ وہ اپنی بیوی عمارہ اور بیٹی ذکیہ کے ساتھ فلسطین کے مشہور شہر ''القدس'' میں مقیم ہے۔ سلمان اور عمارہ ہمیشہ اپنے شہید بیٹے جبار کی یادوں میں گم رہتے ہیں وہ تنظیم ''الفتح'' کا رکن تھا لیکن یہودی سپاہیوں نے اسے آزادی کے جرم میں قتل کردیا۔ جبار کے شہید ہونے کے بعد باپ سلمان کی فکر تبدیل ہوگئی ہے۔ وہ ڈر اور تشویش کا شکار ہوچکا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ تنظیم ''الفتح'' میں شرکت اس کے بیٹے کے قتل کا سبب ہے اور اب وہ فکرمند ہے کہ اس تنظیم سے تعلق اس کی بیٹی ذکیہ کے لیے خطرناک ہے۔ فاطمہ برناوی ایک بہادر

فلسطینی خاتون ہے جو یہودی سپاہیوں سے بچتی ہوئی سلمان غنی کے گھر پناہ لیتی ہے۔ گھر کے مالک کی غیر موجودگی میں اس کی بیٹی ذکیہ اسے گھر میں پناہ دے دیتی ہے۔ ذکیہ ایک معصوم فلسطینی لڑکی ہے جو اپنے شہید بھائی کی وصیت کو پورا کرنے کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ اسے فلسطینی سرزمین سے بے پناہ محبت ہے جس کے لیے وہ ہر قسم کی تکلیف برداشت کر سکتی ہے۔ وہ جذبہ ایمان اور جذبہ جہاد سے سرشار ہے۔ اس لیے اس نے اپنے شہید بھائی کی طرح الفتح کی تنظیم میں بحیثیت مجاہدہ شرکت کی اور جب یہودی افسر مجاہدہ فاطمہ برناوی کو تلاش کر رہے تھے تو ذکیہ نے بلا تامل اسے گھر میں پناہ دی اور اس کے بعد یہودی سپاہیوں کی آمد پر وہ خود فاطمہ کے عوض یہودی پولیس کے ساتھ چلی گئی لیکن اس بات پر فاطمہ برناوی کو تشویش ہوئی۔ بالآخر اس نے فوراً اپنے آپ کو یہودی سپاہیوں کو سونپ کر ذکیہ کو رہائی دلائی۔

سلمان غنی اگرچہ اپنی زمین سے وفادار ہے مگر وہ اپنے بیٹے کے شہید ہونے کے بعد تھک چکا ہے اس لیے وہ کسی صورت میں بھی اپنے بچوں کو اس سرزمین پر قربان کرنے کا صدمہ برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ بیٹے کی شہادت کے بعد فلسطینی زمین پر ہر قربانی بے فائدہ ہے لیکن جب وہ سرزمین فلسطین آزاد کرنے کے لیے فاطمہ برناوی کی جد وجہد اور کارنامے دیکھتا اور سنتا ہے تو اس کے خیالات بتدریج تبدیل ہو جاتے ہیں اور بالآخر فاطمہ کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ اس نے اس کی سوچ کا دھارا تبدیل کر دیا ہے حتیٰ کہ جب فاطمہ برناوی نے یہودی پولیس کو اپنی گرفتاری پیش کر کے ذکیہ کو رہائی دلانا چاہی، تو سلمان نے اسے منع کیا اور کہا: ''فاطمہ! تمھیں یہ ارادہ بدلنا ہوگا، ذکیہ جیسی ہزاروں لڑکیاں بھی مر جائیں تو کوئی بات نہیں ہے۔ مگر ایک فاطمہ کو نہیں مرنا چاہیے۔ بیٹی! تم نے آزادی وطن کا جو چراغ روشن کیا ہے اسے ہمیشہ جلتے رہنا چاہیے''۔

میرزا ادیب نے اس ڈرامے میں فلسطینی لوگوں کے نفسیاتی حالات پر روشنی ڈالی ہے اور واضح کیا ہے کہ یہودی باغی سپاہیوں کی دشمنانہ کارروائیوں اور فلسطین کے خراب حالات کی وجہ سے چند فلسطینی لوگوں کے ارادے اور عزم تذبذب کا شکار ہوئے۔ مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے ڈرامے کا ایک ہیرو سلمان غنی کہتا ہے: ''عمارہ تم جانتی نہیں ہو یہ ہماری بدبختی اور نکبت کا دور ہے ہماری زندگی موت کے طویل سایوں میں سسک رہی ہے۔ ہم اللہ کے مقہور بندے ہو گئے ہیں''۔(۷)

اور دوسری جگہ کہتا ہے: ''میری باتیں بہت اذیت ناک ہیں کیونکہ یہ زندگی کی اذیت ناک حقیقت کا اظہار کرتی ہیں، اذیت کے بعد اذیت۔ لیل ونہار یونہی گزرتے ہیں۔ ہر نیا دن ایک نئی مصیبت لے کر آتا ہے۔ اور ہر نئی رات ایک تازہ زخم لگاتی ہے۔ آج ہم یہودیوں کے ظلم وجور میں جکڑے لہو کے آنسو بہا رہے ہیں اور ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہر روز یہ منظر دیکھیں اور دیکھتے دیکھتے مر جائیں۔''(۸)

اس طرح سلمان کا کردار واضح ہو جاتا ہے کہ بعض فلسطینی ہیں جنھیں محسوس ہوتا ہے کہ ان کے شہید بیٹوں کا خون ضائع ہوا ہے اور روز بروز یہود کی جارحانہ کاروائیاں بڑھ رہی ہیں۔ سلمان غنی اپنی مایوس حالت اور فلسطین کے آئندہ مستقبل کے بارے میں کہتا ہے:

> ”عمارہ: نہیں! یہ کبھی نہیں ہوگا۔ آپ انتہائی یاس کے عالم میں یہ لفظ کہہ رہے ہیں، فلسطین ہمارا ہے۔ ہم فلسطین کے ہیں۔
>
> سلمان: میں مایوس کیوں نہ ہوں میں فلسطین کے مسلمانوں کی تقدیر کو دبے پاؤں آتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ یہ تقدیر لہولہان ہے اس سے لہو بہہ رہا ہے اور اسی لہو میں ہمیں بہہ جانا ہے آج یا کل چند روز کے اندر اندر۔“(۹)

ڈرامے کے آغاز میں وہ دل شکنی کی حالت میں اپنی بیوی عمارہ سے کہتا ہے: ”اب فلسطین پر وہ سورج کبھی طلوع نہیں ہوگا جسے یہودی ظلم وتشدد کی اندھی رات نگل گئی ہے۔“(۱۰)

اوپر کے اقتباسات سے یہ بات واضح ہے کہ سلمان غنی بنیادی طور پر ایک قنوطی شخص ہے۔ اس کی مایوسی اس حالت کو پہنچ گئی ہے کہ وہ اس وقت آزادی کی کسی تحریک میں کوئی فائدہ نہیں دیکھ رہا اور فلسطینی تنظیموں کی موجودہ صورتحال سے غمگین اور پریشان ہوگیا ہے۔ خاص طور پر اپنے بیٹے جبار کی اسرائیلی فوج کے ہاتھوں شہادت کے بعد وہ اور بھی خبطی ہوگیا ہے۔

فلسطین کے باشندوں پر قابض اسرائیلی سپاہیوں نے مظالم کی انتہا کردی ہے۔ یہودیوں کے مظالم اور اسرائیلی پولیس کے ظلم وستم سے تنگ فلسطینی نوجوانوں نے جب آزادی کا مطالبہ کیا تو ان کو دہشت گرد قرار دے کر گولیاں ماردی گئیں جیسے سلمان غنی کے بیٹے کے ساتھ ہوا۔ فلسطینیوں پر ظلم وستم کی داستان بہت پرانی ہے لیکن یہ ظلم اب حد سے بڑھ گیا ہے۔ اس ڈرامے میں متعدد جگہ پر یہودیوں کے ظلم وستم مذکور ہیں جن سے مصنف کا مقصد یہ ہے کہ فلسطین فلسطینیوں کا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کی آزادی کے لیے جان کی قربانی دینے والے ناقابل فراموش ہیں۔ ڈرامے میں میرزا ادیب اس سلسلے میں سلمان غنی کی زبان سے کہتے ہیں:

> ”تم کیا جانو! تم کیا جان سکتی ہو! آج جب میں گھر سے باہر نکل کر ذرا دور گیا اور میری آنکھوں نے اس یہودی قالین فروش کی دکان کے سامنے سرخ خاک کو دیکھا جہاں میرے بچے کو بے دردی سے ذبح کیا گیا تھا تو یوں لگا جیسے میرے سینے میں ایک شگاف ہوگیا ہے اور اندر کا سارا لہو باہر آ رہا ہے یہ سرخ خاک ہر وقت میری نگاہوں کے سامنے رہتی ہے۔ کسی وقت بھی اوجھل نہیں ہوتی۔“(۱۱)

یہودی افسر مکار اور اذیت پسند ہیں۔ وہ معصوم لڑکی ذکیہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مجاہدہ فاطمہ برناوی پر گولی چلائے ورنہ وہ اسے شدید ترین سزا دے کر قتل کریں گے۔ ذکیہ اور یہودی افسروں کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جھوٹے الزامات میں بھی فلسطینیوں کو جیلوں میں ڈالا جا رہا ہے اس لیے اسرائیلی قیدیوں میں کمسن بچے اور خواتین بھی شامل ہیں۔ خواتین صرف شک کی بنیاد پر قید میں رکھی جا رہی ہیں اور یہودیوں کی قید میں ظلم وتشدد کا نشانہ بن رہی ہیں:

"کرنل: دونوں کو سامنے لے آؤ۔ ہم خود ان کا جسم چھلنی چھلنی کریں گے! بولو ذکیہ اس پر گولی چلاؤ گی؟!

ذکیہ: نہیں۔ نہیں اور نہیں۔

کرنل: تمھارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ پاگل ہو گئی ہو۔ ہم تمھیں رہا کرنا چاہتے ہیں اور تم مرنا چاہتی ہو

ذکیہ: مجھے ایسی ذلت آمیز رہائی منظور نہیں۔

کیپٹن فروغی: کرنل! حکم دیجیے۔ میں ایک لمحے میں دونوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دوں۔

کرنل: یہ آسان موت ہے اور ہم انھیں آسانی کے ساتھ مرتے نہیں دیکھنا چاہتے۔ ہم شدید ترین سزا دینا چاہتے ہیں۔" (۱۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ فلسطینی اپنے ملک کی آزادی اور قیام کے لیے جان و مال کی بڑی سے بڑی قربانی پیش کر رہے ہیں۔ یہودی فوج کے ظلم وتشدد کے باوجود فلسطینی قربانیاں ابھی تک جاری ہیں اور رہیں گی حتی کہ فلسطین کی آزادی کا خواب حقیقت بن جائے۔ میرزا ادیب نے اپنے ڈرامے "فاطمہ برناوی" میں بے مثال قربانیوں، امید اور جوش کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں میرزا ادیب کیپٹن فروغی اور کرنل کے کرداروں کو ان جملوں سے واقف کراتے ہیں:

"کیپٹن: میں نے اس کے مکان کی تلاشی لے کر اسے برآمد کیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ میں فاطمہ ہوں۔

کرنل: دھوکہ کھا گئے تھے تم۔ اس وقت مدرس سلمان غنی کے مکان میں فاطمہ ضرور چھپی ہوگی اور اسے بچانے کے لیے مدرس کی اپنی لڑکی نے تمھیں یقین دلایا ہوگا کہ وہ فاطمہ ہے۔ کیپٹن فروغی تم ابھی تک سمجھ نہیں سکے کہ یہ الفتح کی تنظیم یہودی حکومت کے لیے کس قدر خطرناک ثابت ہو چکی ہے۔" (۱۳)

عمارہ اپنے بیٹے جبار کی گرفتاری کے اذیت ناک منظر کو یوں بیان کرتی ہے:

"یہودی کتوں نے گرفتار کرتے وقت اس پر کتنا تشدد کیا تھا مگر میرے بہادر بچے کے منہ سے ہلکی سی چیخ بھی نہیں نکلی۔" (۱۴)

لیکن جبار کا باپ عمارہ سے یوں کہتا ہے: "اس کے منہ سے کوئی چیخ نہیں نکلی تھی لیکن میرا دل ڈوب گیا تھا اور یہ مظلوم دل اب تک اسی طوفان میں ہچکولے کھا رہا ہے۔" (۱۵)

ناجائز یہودی ریاست کے سپاہی جو مظالم ڈھا رہے ہیں اس کی نظیر تاریخ میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ یہ کیسا ظلم ہے جس سے معصوم آدمی اپنے وطن، حقوق اور بنیادی ضروریات سے محروم کر دیا گیا ہے؟ ظلم و ستم کی اس چکی میں پسنے اور آبائی سرزمین کے حصول کی خواہش رکھنے والے فلسطینیوں نے استعماری سازشوں کا مقابلہ اور اسرائیلی مفادات کو نقصان پہنچانے کے لیے کارروائیاں جاری رکھی ہوئی ہیں۔ یہ کارروائیاں اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہود کے مظالم فلسطینی لوگوں کے عزم کو کمزور نہیں کر سکتے۔ میرزا ادیب کے ڈرامے "فاطمہ برناوی" میں فلسطینی لوگوں کی ثابت قدمی ملاحظہ ہو:

> "عمارہ: ہم فلسطین سے نہیں جائیں گے۔ فلسطین ہمارے آبا واجداد کا وطن ہے اور ہمارے بعد ہماری اولاد کا وطن ہوگا۔"(۱۶)

عمارہ نے یہ بات کہی تھی جب سلمان غنی نے اسے اور اپنی بیٹی ذکیہ سے اس سرزمین کو چھوڑنے کے لیے کہا تھا۔

"کرنل: (وحشیانہ قہقہہ) تمھاری تمام حکومتیں مل کر بھی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتیں!

فاطمہ: انھوں نے ابھی مل کر مقابلہ نہیں کیا۔ مگر اصل مقابلہ ہمارے عوام کریں گے ہمارے عوام جو غریب ہیں نہتے ہیں اور مظلوم و مقہور ہیں۔ یہی عوام ایک سیلاب بن کر تمھاری ساری طاقت اور غرور تنکوں کی طرح بہا کر لے جائیں گے۔"(۱۷)

یہودی کرنل فاطمہ کو گرفتار کر لیتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ مجاہدہ کے بلند حوصلے کو پست کرے۔ لیکن وہ فاطمہ پر تشدد کے باوجود ناکام ہے۔ اگرچہ کرنل ایک وحشی آدمی دکھایا گیا ہے لیکن فاطمہ کی عزیمت کے سامنے اس کے حوصلے ماند پڑ جاتے ہیں۔ اس گفتگو کا باقی حصہ غور طلب ہے:

"کرنل: روح فلسطین ۔۔۔ تم روح فلسطین ہو!

فاطمہ: روح فلسطین ہر فلسطینی مسلمان میں ہے یہ روح تابندہ ہے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔

کرنل: میں اس روح کو کچل دوں گا۔

فاطمہ: تم ایک صدی سے نہیں کئی صدیوں سے اس روح جلیل پر حملے کر رہے ہو۔ لیکن آج تک شکست پر شکست کھاتے رہے ہو۔ آج تم اپنی تمام پچھلی شکستوں کا بدلہ لینا چاہتے ہو۔ مگر یاد رکھو کہ ایک ایسی عبرتناک شکست کھاؤ گے کہ جیتی جاگتی دیوار گریہ بن جاؤ گے۔"(۱۸)

اس ڈرامے میں میرزا ادیب کہنا چاہتے ہیں کہ فلسطین کی آزادی تک جد و جہد جاری رہے گی، ہر فلسطینی پر فلسطین کے حقوق کا دفاع کرنا دینی، سیاسی اور اخلاقی فرض ہے۔ فلسطین فلسطینیوں کا وطن تھا اور رہے گا اور جب تک فلسطینی نوجوانوں کی جد و جہد جاری ہے ان کے حقوق محفوظ رہیں گے اور یہی وجہ

ہے کہ غاصبانہ اسرائیلی حکومت نوجوانوں سے نہایت خوف زدہ ہے۔ یہودی کرنل فاطمہ برناوی کی جدوجہد کے بارے میں کہتا ہے:

”کرنل: پچھلے ایک سال میں مختلف مقامات پر جو مسلمان فوجیوں سے تصادم ہوتے رہے ہیں ان میں ہمارے اتنے افسر اور سپاہی نہیں مارے گئے جتنے اس حادثہ میں ختم ہو گئے ہیں تمہیں خبر ہے اسی سینما ہاوس کے تہہ خانے میں ہمارا بہت سا اسلحہ بھی جمع تھا جو سب کا سب برباد ہو گیا ہے۔ اور یہ سارا نقصان صرف ایک لڑکی نے پہنچایا ہے۔“(۱۹)

”کرنل: (ذرا نرمی سے) لڑکی! مجھے ایک بات کا جواب دو۔ میں جانتا ہوں تم فاطمہ نہیں ہو اور تم بھی جانتی ہو کہ تم فاطمہ نہیں ہو۔ پھر تم خود کو فاطمہ ظاہر کرنے کی کوشش کیوں کر رہی ہو؟

ذکیہ: وہ اس لیے کرنل آج فلسطین اور فلسطین کے باہر ہر عرب گھرانے کی ہر لڑکی فاطمہ بن چکی ہے۔ فاطمہ صرف ایک لڑکی کا نام نہیں۔ ان ہزاروں اور لاکھوں لڑکیوں کا نام ہے جو فلسطین کی آزادی کی خاطر ہتھیار لے کر میدان میں آ گئی ہیں فاطمہ اس فلسطینی روح کا نام ہے جو ہر عرب لڑکی کے سینے میں شعلہ ریز ہے۔“(۲۰)

فاطمہ برناوی جو ہر مشکل کا سامنا بلا تردد اور خوف کرتی ہے وہ کہتی ہے: ”میں ہر خطرے میں کود سکتی ہوں مجھے کوئی خطرہ بھی خوفزدہ نہیں کر سکتا۔“(۲۱)

عمارہ اپنی سرزمین فلسطین کی محبت کے بارے میں بھی کہتی ہے: ”ہمیں اگر لہو ہی میں بہہ جانا ہے تو یہیں رہیں گے اور اسی خاک میں مل جائیں گے۔“(۲۲)

اسی طرح تمام اہم کرداروں کے مکالموں کے ذریعے سے میرزا ادیب نے اس ڈرامے میں واضح کیا ہے کہ فلسطین کی آزادی کے لیے فلسطینی نوجوانوں کی جدوجہد قابل داد ہے اور فاطمہ کا کردار ڈرامے میں ایک بہادر مجاہدہ، مثالی اور زبردست خاتون کا ہے۔ وہ فلسطینی نوجوانوں کی نمائندگی کرتی ہے جو وطن کی حریت کے لیے سرگرم عمل ہونے کے باوجود حسن واخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔

میرزا ادیب کی خوبی یہ ہے کہ اس ڈرامے کی کہانی ایک دوسرے ملک کی ہونے کے باوجود ہمیں کسی مرحلے پر محسوس نہیں ہوتا کہ اس ڈرامے کے کسی بھی مکالمے یا پلاٹ کی فضا اجنبی ہے۔ اس لیے آزادی کی تحریکوں خاص طور پر تحریک آزادی فلسطین کے بارے میں یہ ڈراما اردو ادب میں اہم حیثیت رکھتا ہے۔

○

مسئلہ الجزائر کے حوالے سے ڈراما نگاری میں بھی میرزا ادیب سرفہرست ہیں، اس سلسلے میں ”فصیل شب“ میں شامل ڈرامے ”جمیلہ“ کا مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

الجزائری عوام کے حقوق کے لیے سرزمین الجزائر پر مجاہدین کی ایک تنظیم " نیشنل لبریشن فرنٹ" وجود میں آئی جس کے اراکین نے فرانسیسی سامراج سے اپنی سرزمین کی آزادی کے حصول کے لیے جدوجہد کی۔ آج کل یہ فرنٹ الجزائر میں ایک نامور سیاسی جماعت بن چکا ہے جسے (FLN) کہا جاتا ہے جو Front de libration nationale کا مخفف ہے۔

سترہ کرداروں اور پانچ مناظر پر مشتمل یہ ڈراما ایک بیس سالہ لڑکی ”جمیلہ“ کی بہادری، دلیری، جرأت، بلند حوصلگی، غیر متزلزل یقین اور صبر واستقامت کا آئینہ دار ہے جو ہمہ وقت وطن کی آزادی کے لیے مجاہدین کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہے۔ اس کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہے آزاد الجزائر ---

اس ڈرامے کا نام ”جمیلہ“ بھی میرزا ادیب نے ایک حقیقی شخصیت ”جمیلہ بوحیرد“ کے نام پر رکھا۔ وہ الجزائر کی ایک نامور اور زند جاوید مجاہدہ ہیں جو بیسویں صدی کے وسط میں فرانسیسی سامراج کے خلاف الجزائر کے انقلاب کے دوران عرب دنیا کے سامنے پہلی مرتبہ آئیں۔

جمیلہ ۱۹۳۵ء میں الجزائر کے ضلع ”القصبہ“ میں پیدا ہوئیں۔ اِن کی پرورش مذہبی گھرانے میں ہوئی۔ خاص طور پر ان کی والدہ جن کا جمیلہ کی حب الوطنی، شہادت کی طلب اور اس کے جزائرالنسل افکار ہونے پر بہت گہرا اثر ہے۔ اس بات کا اندازہ جمیلہ کی والدہ کے اس جملے سے بھی ہوتا ہے جس میں وہ اپنی بیٹی جمیلہ کو اس طرح مخاطب کرتی ہیں: ”اللہ تعالیٰ تم کو حق پر شہادت نصیب فرمائے۔“(۴۳)

نومبر ۱۹۵۴ء میں الجزائر میں انقلاب آیا تو بیس سالہ جمیلہ فرانسیسی سامراج کیخلاف الجزائر کی نیشنل لبریشن فرنٹ میں شامل ہوئیں اور ایسے کارنامے سرانجام دیے کہ فرانسیسی سامراج اس کے سر کی قیمت لگانے پر مجبور ہو گیا۔ بالآخر ۱۹۵۷ء میں فرانسیسی سامراج جمیلہ کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔(۴۴)

گرفتاری کے بعد جمیلہ پر متواتر ظلم وستم کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کو نیم عریاں کر کے گیلے کپڑے کے ساتھ باندھ کر جسم کے نازک حصوں پر متواتر بجلی کے جھٹکے دیے جاتے۔ اس کے باوجود اس نے صبر واستقامت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ جمیلہ کو فوجی عدالت میں پیش کیا گیا جہاں اس کو پھانسی کی سزا سنا دی گئی۔ پھانسی کا مقرر دن ۷ مارچ ۱۹۵۸ تھا۔ لیکن اس فیصلے پر پوری دنیا میں شور مچ گیا اور اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کی کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ بالآخر فرانسیسی حکام نے عالمی دباؤ میں آ کر سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دیا۔ چنانچہ ۱۹۶۲ء میں الجزائر کی آزادی کے بعد اس کو رہائی مل گئی۔ (۴۵)

جمیلہ بوحیرد کا الجزائر نہایت بلند وبالا مقام ہے۔ وہ نہ صرف الجزائر کی تحریک آزادی بلکہ تمام عالم عرب کے لیے بھی ایک اعلیٰ مثال ہیں۔ اس بات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عالمِ عرب کے شاعروں نے ان کے بارے میں ستر کے لگ بھگ نظمیں لکھیں جن میں نزار قبانی، صلاح عبدالصبور، بدر

شاکرالسیاب، الجواھری اور کامل الشناوی وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اِن کی گرفتاری کے ایک سال بعد یعنی ۱۹۵۸ء میں مصر میں 'جمیلہ' کے نام سے ایک تاریخی فلم بنائی گئی جس کی کہانی مصر کے ایک بڑے ادیب ''یوسف السباعی'' نے لکھی، فلم کے ڈائیلاگ کو عالمی شہریت یافتہ مصری ادیب نجیب محفوظ، عبدالرحمٰن الشرقاوی، علی الزرقانی اوروجیہ نجیب نے لکھا، اور معروف مصری ڈائریکٹر یوسف شاہین نے اس فلم کو ڈائریکٹ کیا تاکہ واضح ہو کہ مصر اور عالمِ عرب دونوں میں ان کا کتنا بلند مقام ہے، اوران کے دلوں میں ان کے لیے کتنی محبت ہے۔ (۲۶)

جمیلہ بوحیرد ابھی حیات ہیں اور ہفتہ ۱۷/ فروری ۲۰۱۸ء میں وہ دوسرے اسوان انٹرنیشنل فلم فیسٹیول برائے خواتین میں شرکت کے لیے قاہرہ تشریف لائیں۔ وہ سامراج کیخلاف جد وجہد کی ایک بہت بڑی علامت ہیں۔

ڈرامے کے کردار

یہ ڈرامہ بنیادی طور پر تین کرداروں قاسم (الجزائر کے قومی شاعر)، جمیلہ کی ماں اور محاذِ قومی آزادی کے رہنما یوسف سعدی پر مشتمل ہے۔ ڈرامے کا مرکزی کردار جمیلہ ہے جس نے اس سرزمین کی بقا اور آزادی کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ یہ مجاہدہ الجزائر کی تنظیم نیشنل لبریشن فرنٹ کی رکن ہے جو اس ڈرامے میں ہمت اور بہادری کا ایک عظیم الشان پیکر بن کر ابھرتی ہے۔ اس کے کردار میں ایک مسلم مجاہدہ کی روح پوشیدہ ہے۔ ڈرامے کے وسط سے آخر تک اگرچہ اسے کربناک اذیتوں اور متواتر ظلم کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن پھر بھی کوئی فرانسیسی اس کے بلند حوصلوں کو سر کرنے میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔

بغور دیکھیں تو اس ڈرامے کی بنیاد جمیلہ کے کردار ہی پر مضبوطی سے قائم ہے۔ اس کا کردار الجزائر کے مجاہدین اور شہدا کے عزم وہمت کا استعارہ بن کر سامنے آیا ہے۔ عورت ہونے کے باوجود مردوں کے شانہ بشانہ کام اور دل میں الجزائر کے لوگوں اور سرزمین الجزائر کی آزادی کے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ اِس کے کردار کی خوبی ہے۔ ڈرامے کے باقی کردار جو ضمنی طور پر آئے ہیں، وہ یوں ہیں: عبداللہ۔ جلیل۔ فرحت۔ حسن۔ فرانسیسی کیپٹن۔ بریگیڈیر جنرل۔ جمیلہ کا چینی وکیل۔ دو گواہ: ایک مرد، ایک عورت۔ فرانسیسی سپاہی۔

الجزائر شہر کے کسی بازار کے ایک حصے میں ڈرامے کا آغاز ہوتا ہے جہاں ہر طرف صرف خاموشی ہے اور کوئی راہ گیر دکھائی نہیں دیتا سوائے چار فرانسیسی سپاہیوں کے جو اپنی سنگینیں کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ سنگینیں پورے شہر کی موت کا پیغام ہیں اوران کی وجہ سے ہی شہر قبرستان بن چکا ہے۔ اچانک دور سے الجزائر کے قومی شاعر قاسم کی آواز آتی ہے۔ وہ گا رہا ہے ''اے مادرِ وطن! اے

میری مادر وطن"۔ فرانسیسی سپاہی شدید حیران ہو جاتے ہیں۔ یہ کیا تماشا ہے کہ کسی الجزائری کو آواز بلند کرنے کا حوصلہ ہوا۔ "وطن وطن" چیخ رہا ہے۔ ان کے لیے یہ بات توہین ہے جو نا قابلِ برداشت ہے۔ اس لیے ہمیشہ کے لیے اس کی آواز کو بند کرنا چاہتے ہیں۔ سپاہی سنگینیں تان کر شاعر کو گھیرے میں لے لیتے ہیں اور وہ بدستور بے نیازی سے گا رہا ہے۔ پھر ان سے مخاطب ہوتا ہے کہ یہ اس کی آواز نہیں بلکہ الجزائر کی مظلوم روح چیخ رہی ہے، اور یہ آواز کبھی بند نہیں ہوگی۔ سپاہیوں کو بہت زیادہ غصہ آتا ہے۔ وہ شاعر پر پل پڑتے ہیں۔ شاعر گر پڑتا ہے۔ الجزائری پرچم کو بوسہ دیتا ہے۔ ایک سپاہی اس کے جسم میں سنگین پیوست کر دیتا ہے۔ شاعر "الجزائر زندہ باد" کہہ کر دم توڑ دیتا ہے۔ اسی دوران بیس سالہ لڑکی جمیلہ یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ سپاہیوں کے جانے کے بعد وہ شاعر کی نعش کے پاس آتی ہے۔ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر عہد کرتی ہے کہ آج سے اس کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف آزادی وطن کی جدوجہد ہے۔ پرچم اٹھا کر گھر چلی جاتی ہے۔ گھر پر اس کی ماں پریشان ہوتی ہے کہ اتنی دیر کہاں رہی! یکایک اس کی نظر پرچم پر پڑتی ہے۔ جمیلہ اپنی ماں کو سب کچھ بتانے لگی خاص طور پر شاعر "قاسم" کی پاکیزہ شہادت کا لمحہ۔ اس کے علاوہ وہ عہد جو اس نے شہید شاعر کے سامنے کیا۔ بالآخر جمیلہ کی ماں نے اللہ سے دعا کی کہ جمیلہ کو اپنے عہد پر قائم رکھے۔

بعد میں ڈرامے کے واقعات الجزائر کے کوہستانی علاقے میں مجاہدینِ الجزائر کی سب سے بڑی سیاسی تنظیم "محاذِ قومی آزادی" کی ایک خفیہ قیام گاہ میں منتقل ہو جاتے ہیں جس میں محاذ کا رہنما یوسف سعدی اضطراب اور پریشانی کے عالم میں ٹہل رہا ہے۔ وہ بڑی بے چینی سے جمیلہ کا انتظار کر رہا ہے جو ابھی تک آئی نہیں اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ جو کام بھی اس کے سپرد کیا گیا اس نے عین وقت پر نہ کیا ہو۔ ایک مجاہد کہتا ہے کہ آخر ایک عورت ہی تو ہے! یوسف فوراً جواب دیتا ہے کہ عورت، تم اسے عورت کہتے ہو۔ برب الکعبہ! ایسی جانباز اور بہادر مجاہدہ مادرِ وطن نے آج تک پیدا نہیں کی۔ مجھے تو کچھ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کی رگوں میں انسانی خون کی بجائے بجلیاں مچل رہی ہیں۔ بڑی بے چینی سے سب کے سب جمیلہ کے منتظر ہیں جس کی تلاش میں فرانسیسی سپاہی رات دن سرگرداں ہیں۔ سوچنے لگے کہ کیا ہو سکتا ہے؟! کیا وہ دشمنوں کے قبضے میں جا چکی ہے؟! کیا دشمن کی بے رحم بمباری کی وجہ سے وہ شہید ہو گئی؟! اس عالمِ اضطراب میں جمیلہ پہنچ جاتی ہے اور مختلف محاذوں کی خبریں ان کو بتاتی ہے۔ مسلسل بمباری کی وجہ سے حکمتِ عملی کچھ تبدیل ہوئی جس کی اطلاع دوسروں کو ہونی چاہیے۔ جمیلہ فوراً جاتی ہے کیونکہ یہ کام اس کا ہے حالانکہ یوسف اور دوسرے مجاہدین کے خیال میں وہ تھک چکی ہے، مسلسل کام کر رہی ہے، نہ رات کو آرام کرتی ہے نہ دن کو؛ اس لیے اسے دو تین روز تک آرام کرنا چاہیے۔ لیکن وہ اصرار کر رہی ہے کہ

اس کا کام کوئی اور نہیں کر سکتا، اور یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ وہ رائفل لے کر میدان نہیں پہنچ سکی۔ دروازے کی طرف جاتی ہے گویا ایسا بڑھتا ہوا سیلاب ہے جو کبھی رک نہیں سکتا۔

تھوڑی دیر بعد جمیلہ تیزی سے دروازے پر یہ کہتے ہوئے آتی ہے، دشمن۔۔۔ جلدی سے نکل جائیں۔ پھر چلی جاتی ہے تا کہ دوسرے مجاہدین نکل سکیں۔ اس طرح وہ دشمن کے قبضے میں چلی گئی جو بھرپور کوشش کرتے رہے کہ جمیلہ سے یوسف سعدی اور دیگر مجاہدین اور ان کی باقی خفیہ پناہ گاہوں کے بارے میں کوئی معلومات حاصل کر سکیں۔ لیکن جمیلہ نے دشمن کے لالچ اور ڈرانے کے باوجود صبر واستقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ نہیں بتایا۔

اس کے بعد کیس فوجی عدالت میں چلا گیا جس میں ہر چیز کی تیاری پہلے سے تھی: تین جرم، حسب مرضی دو گواہ اور پھانسی کی سزا۔ اس سب کے باوجود جمیلہ کے چہرے پر حسب معمول تابناکی، وقار اور جلال ہے۔ اسے وکیل کی ضرورت نہیں بلکہ وہ اپنی وکالت خود کرے گی۔ اس نے کہا کہ آزادی کی جنگ کرنے والوں کی مدد کرنا کوئی جرم نہیں۔ اُسے وہی لوگ جرم کہتے ہیں جو آزادی کے فطری جذبے کو کچل دینا چاہتے ہیں۔ میں موت کا خیر مقدم کرتی ہوں لیکن پھانسی کے تختے کی طرف جانے سے پہلے میں کہنا چاہتی ہوں کہ فرانس ایک بڑا مہذب ملک تھا۔ دنیا کی تہذیب وتمدن میں اس نے بڑا اضافہ کیا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اس کے انقلابیوں نے اپنے جابر حکمرانوں کا دامنِ ستم چاک چاک کر دیا تھا۔ یہ فرانس ہی تھا جس نے دنیا کو روشنی اور آزادی کا ایک نیا پیغام دیا تھا۔ مگر آج وہ فرانس ختم ہو چکا ہے۔ وہ فرانس مر چکا ہے۔ آج وہ فرانس انسانی درندوں کا وطن بن گیا ہے۔ آج فرانس ظلم وستم کے گہوارے کے سوا اور کچھ نہیں رہا۔ میں انصاف کی دہلیز پر کھڑے ہو کر پوچھتی ہوں کہ فرانس الجزائر کو کیوں اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ فرانس کو دنیا کے کس قانون نے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ الجزائر کے نہتے انسانوں پر گولیاں برسائے اور ان کا سب کچھ چھین لے! میرے جرم کا فیصلہ کرنے سے پہلے کاش آپ نے اپنے خون آلود ہاتھوں اور خونخوار سنگینوں کو تو دیکھ لیا ہوتا۔ شاید آپ کا ضمیر بیدار ہو جاتا۔ میں فرانس کے انسانی ضمیر سے مایوس نہیں ہوں۔ میں جانتی ہوں آپ کا فیصلہ کیا ہو گا۔ مجھے اپنے وطن سے محبت ہے اور میں اسے آزاد دیکھنا چاہتی ہوں! اور فقط اسی جرم کی پاداش میں آپ کے سپاہیوں نے مجھ پر متواتر ظلم کیا ہے۔ مجھے ہر وہ سزا دی گئی جس کا تصور دورِ وحشت کا انسان بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آپ کے سپاہیوں نے مجھے ننگا کر کے مارا ہے مگر یاد رکھو تم نے الجزائر کی ایک بیٹی ہی کو ننگا نہیں کیا، اپنی صاف ستھری تہذیب کو بھی عریاں کر دیا ہے۔ یہ مت بھولو آج الجزائر کے ہر گھر میں ایک جمیلہ پیدا ہو چکی ہے۔ آج ہر گھر جنگِ آزادی کا محاذ بن گیا ہے۔ آج ہر گھر سے آزادی کا پرچم بلند ہو رہا ہے۔ الجزائر زندہ باد! آزاد الجزائر پائندہ باد!!

پانچویں اور آخری منظر میں جمیلہ اپنے گھر کے دروازے پر سخت مغموم حالت میں نظر آتی ہے۔ اس کی آنکھیں اشک آلود ہو گئی ہیں۔ کتنی بد نصیب ہے وہ کہ شہادت سے محروم ہو گئی۔ فرانسیسی حکومت نے عین وقت پر پھانسی کا حکم منسوخ کر دیا اور اس کی شہادت کی آرزو۔۔۔ آرزو ہی رہی۔ لیکن عقلمند ماں اپنی بیٹی کو بتاتی ہے کہ اسے مغموم بالکل نہیں ہونا چاہیے۔ اگر وہ پھانسی کی رسی کو نہیں چوم سکی تو کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ بہت جلد آزاد الجزائر کے مقدس پرچم کو چومے گی اور الجزائر کے سب لوگ اسی پرچم کے سائے میں کہیں گے۔۔۔ آزاد الجزائر زندہ باد۔۔۔ آزاد الجزائر پائندہ باد! اور یوں جمیلہ کا چہرہ ایک نئے عزم اور نئے جوش سے چمکنے لگتا ہے اور یہیں ڈرامے کا اختتام ہو جاتا ہے۔

ڈرامے کے پہلے منظر کے آغاز ہی میں میرزا ادیب نے اس ظالمانہ اور جابرانہ فرانسیسی سامراج کے ظلم وستم اور قتل وغارتگری کی وجہ سے الجزائر کے باشندوں کے خوف وہراس اور ان کے ابتر حالات کی عکاسی کی ہے۔ انھوں نے الجزائر کے ایک بازار کے منظر کو دکھایا جس میں کوئی راہ گیر دکھائی نہیں دیتا اور جہاں ہر طرف صرف خاموشی ہے، گویا وہ ایک بازار کے بجائے ایک قبرستان بن چکا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"الجزائر کے کسی بازار کا ایک حصہ۔ ہر طرف ایک سناٹا۔ کوئی راہ گیر دکھائی نہیں دیتا۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے لوگ سہمے ہوئے گھروں میں بند ہیں۔" (۲۷)

اسی خاموشی میں چار فرانسیسی سپاہی سنگینیں کندھوں پر اٹھائے آتے ہیں اور آپس میں اس قبرستان اور مُردوں کے درمیان گشت کرنے کے بارے میں کہتے ہیں:

"پہلا سپاہی: (اِدھر اُدھر دیکھ کر) کتنی خاموشی ہے۔ یہ شہر ہے یا کوئی قبرستان ہے۔
دوسرا سپاہی: ہے تو شہر ہی مگر قبرستان بن چکا ہے۔
تیسرا سپاہی: قبرستان کیوں نہ بنتا (سنگین بلند کر کے) یہ سنگین پورے الجزائر کی موت کا پیغام ہے۔ کس میں جرأت ہے کہ چوں بھی کر سکے!
دوسرا سپاہی: اس قبرستان میں اب زندگی نہیں آ سکتی اور ہمیں زندوں سے سروکار ہے مردوں سے نہیں!
چوتھا سپاہی: تو پھر کیا ارادہ ہے؟۔۔۔
تیسرا سپاہی: گشت کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ سپاہی کو آبادی میں گشت کرنی چاہیے، کسی جنگل میں نہیں!" (۲۸)

یقیناً اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مزاحمتی شاعری کا وطن پرستوں پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ وہ ان کی جرأت، دلیری، بے باکی اور وطن کی محبت کو بڑھاتی ہے۔ اس کے برعکس وہی مزاحمتی شاعری کا

فرانسیسی سامراج کے سپاہیوں پر اثر ڈرامے میں بالکل واضح ہے۔ کسی جزائری کو آواز بلند کرنے کا حوصلہ کیسے ہوا۔ ''وطن وطن'' چیخ رہا ہے۔ شاعر لوگوں کو ان کے خلاف اکساتا ہے۔ ان کے لیے یہ بات توہین کے برابر ہے۔ اس لیے ہمیشہ کے لیے اس آواز کو بند کر دینا چاہتے ہیں۔ جملے ملاحظہ ہوں:

''دور سے الجزائر کے قومی شاعر، قاسم، کی آواز آتی ہے۔ قاسم گا رہا ہے''اے مادرِ وطن! اے مری مادرِ وطن''۔

پہلا سپاہی: (رک کر) یہ کیا؟ (باقی سپاہی بھی رک جاتے ہیں)

دوسرا سپاہی: کسی الجزائری کی آواز۔ یہ کیا تماشا ہے؟

تیسرا سپاہی: تم نہیں جانتے یہ کون ہے؟

تیسرا سپاہی: وہی جو بازاروں میں گھومتا پھرتا ہے اور گاتا رہتا ہے۔

چوتھا سپاہی: دیوانہ ہو یا فرزانہ۔ اسے آواز بلند کرنے کا حوصلہ کیسے ہوا؟ وطن وطن، چیخ رہا ہے یہ ہماری ہتک نہیں تو اور کیا ہے؟

دوسرا سپاہی: اسے موت کا خوف نہیں کیا؟

تیسرا سپاہی: خوف ہوتا تو یوں گاتا پھرتا؟ بے باک آدمی ہے۔ لوگوں کو ہمارے خلاف اکساتا رہتا ہے۔

چوتھا سپاہی: یہ چیز ناقابلِ برداشت ہے۔

تیسرا سپاہی: چلو اس کی آواز بند کر دیں۔ ہمیشہ کے لیے'' (۲۹)

اس کے باوجود الجزائر کا وطن پرست شاعر اپنی وطن کی محبت میں ایک حوصلہ افزا نظم بے نیازی سے گاتا رہتا ہے جس میں سامراج کی مذمت ہے۔ فرانسیسی سپاہی اس نظم اور اتنی جرأت سے شدید غصے میں آ گئے۔ شاعر سے کہنے لگے کہ اپنی آواز بند کرو۔ وہ اس طرح ان کا جواب دیتا ہے:

''شاعر: یہ میری آواز نہیں، الجزائر کی مظلوم روح چیخ رہی ہے۔

دوسرا سپاہی: تو اسے بند ہو جانا چاہیے۔ یہ ہمارا حکم ہے۔

شاعر: یہ آواز کبھی بند نہیں ہوگی۔

پہلا سپاہی: بند ہوگی۔ اور ہمیشہ کے لیے بند ہوگی۔

شاعر: نہیں ہو سکتی اور نہیں ہوگی۔۔۔

شاعر: یہ آواز سارے الجزائر میں گونجتی رہے گی! (شاعر گر پڑتا ہے۔ پرچم کو بوسہ دیتا ہے) ایک دن یہ پرچم بلند ہوگا۔ آزادی کا پرچم۔ آزاد الجزائر کا پرچم۔'' (۳۰)

ایک سپاہی شاعر کے جسم میں سنگین پیوست کر دیتا ہے۔ شاعر بڑی دلیری اور جرأت سے "الجزائر زندہ باد" کہہ کر دم توڑ دیتا ہے۔ اس طرح محبِّ وطن شاعر نے وطن کے لیے اپنی جان کی قربانی دی جو بے سود نہ گئی بلکہ اپنے پیچھے الجزائر کی تاریخ میں ایک عظیم اور زندہ جاوید مجاہدہ چھوڑ گئی جس نے محبّ وطن شاعر "قاسم" کی شاعری سنی اور سب کچھ دیکھا جو فرانسیسی سپاہیوں نے شاعر کے ساتھ اس کی شہادت کے لمحے تک کیا۔ نتیجہ کے طور پر وہ زیادہ مضبوط ہو گئی حتی کہ اپنی جان تک اپنے ملک کی آزادی کے لیے پیش کرتی ہے۔ وہ شاعر سے مخاطب ہو کر کہتی ہے:

"جمیلہ: اے شہیدِ وطن! میں تیرے مقدس خون کی قسم کھا کر عہد کرتی ہوں کہ اپنی زندگی وطن کے لیے قربان کر دوں گی! اگر آزاد وطن کے پرچم کو بوسہ نہ دے سکی تو پھانسی کی رسی کو ضرور چوم لوں گی۔ (جمیلہ شاعر کے ہاتھ کو بوسہ دیتی ہے اور پرچم اٹھا لیتی ہے۔" (۴۱)

دوسرے منظر میں جمیلہ گھر واپس جاتی ہے شاعر قاسم کا پرچم اٹھائے ہوئے اور اپنی ماں کو سب کچھ بتا دیتی ہے جو اس کی آنکھوں کے سامنے ہوا خاص طور پر شاعر قاسم کی پاکیزہ شہادت کا لمحہ اور یہ کہ وہ کتنا عظیم محبِ وطن تھا۔ ماں سے کہتی ہے:

"جمیلہ: آج میں نے عہد کر لیا ہے کہ یا تو آزادی کے پرچم کو بوسہ دوں گی یا پھانسی کی رسی کو۔۔۔۔ میں نے شہید شاعر کے سامنے قسم کھائی ہے کہ آج سے میری زندگی کا مقصد صرف اور صرف آزادئ وطن کی جدوجہد ہے۔ اس کے لیے جیوں گی اور اسی کے لیے مروں گی۔" (۴۲)

اتنا ہی نہیں بلکہ وہ اپنی ماں کو جو سخت پریشان اور خوفزدہ ہے حوصلہ دیتی ہے کہ کوئی ڈر، خوف یا غم نہ کرو بلکہ امید رکھو کہ اس کی بیٹی جمیلہ ملک کی آزادی کی جنگ میں حصہ لے اور اسی مقدس جنگ میں دیگر نوجوانوں کی طرح شہادت کا رتبہ پائے۔ کہتی ہے:

"کیوں امی۔ اس طرح خاموش کیوں ہے۔ میں جانتی ہوں تو کیا سوچ رہی ہے۔ کس تصور سے تیرا دل بوجھل ہو گیا ہے۔ (آواز میں جذبات کی شدت) مگر مجھے بتاؤ۔ امی! کیا یہ تیرے لیے فخر نہیں ہو گا کہ تیری بچی آزادی کی جنگ میں شہید ہو جائے۔ وطن کے لیے کتنے نوجوان ہر روز قربان ہو رہے ہیں۔ تیری بچی بھی قربان ہو جائے گی تو کیا قیامت آ جائے گی امی! ہر روز مرنے والے بھی تو تیرے ہی بچے ہیں ۔۔۔۔۔ بتا نا امی ۔۔۔۔۔ کہو نا ۔۔۔۔۔ امی!

ماں: رب الکعبہ تجھے اپنے عہد پر قائم رکھے۔" (۴۳)

ڈرامے میں واضح طور پر اس اہم موضوع کی عکاسی کی گئی ہے کہ آزادی کی جدوجہد میں خواتین کا کردار مردوں سے کم نہیں۔

یہ بات ہم تیسرے منظر میں اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں جب ڈرامے کے واقعات الجزائر کے کوہستانی علاقے میں مجاہد۔ بِن الجزائر کی سب سے بڑی سیاسی تنظیم محاذِ قومی آزادی کی ایک خفیہ قیام گاہ میں منتقل ہوئے جس میں محاذ کا رہنما یوسف سعدی اضطراب اور پریشانی کے عالم میں ٹہل رہا ہے، اس لیے کہ وہ بڑی بے چینی سے جمیلہ کا انتظار کر رہا ہے۔ ایک مجاہد عبداللہ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

”یوسف: (رک کر) جمیلہ ابھی تک آئی نہیں!

عبداللہ: اب تک تو اسے ضرور آ جانا چاہیے تھا۔

یوسف: (دروازے پر نظریں جما کر) اب تک تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ جو کام بھی اس کے سپرد کیا گیا ہے اس نے عین وقت پر کیا ہے۔

عبداللہ: آخر ایک عورت ہی تو ہے!

یوسف: عورت (گھور کر عبداللہ کو دیکھتے ہوئے) تم اسے عورت کہتے ہو۔ ربّ الکعبہ! ایسی جان باز اور بہادر مجاہدہ مادرِ وطن نے آج تک پیدا نہیں کی، مجھے تو کچھ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کی رگوں میں انسانی خون کی بجائے بجلیاں مچل رہی ہیں۔“(۳۴)

محاذ کے رہنما یوسف سعدی کا یہ مثبت اور ٹھوس جواب اس بات کا بہترین ثبوت ہے کہ سامراج کے خلاف مزاحمت میں جمیلہ کا کردار بہت پر جوش اور سرگرم ہے۔ فرانسیسی سپاہی اس کی گرفتاری کے لیے رات دن سرگرداں ہیں۔ عبداللہ کہتا ہے:

”عبداللہ: یہ بالکل درست ہے، جمیلہ ہماری سب سے بڑی مجاہدہ ہے مگر اس وقت ہمارے وطن میں چاروں طرف فرانسیسی درندوں کے غول کے غول پھر رہے ہیں۔ انھیں جمیلہ کی کارروائیوں کا علم ہو چکا ہے اور وہ رات دن اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔“(۳۵)

اسی منظر میں سامراج کےخلاف مزاحمت میں خواتین کی بھرپور شرکت اور ان کے سرگرم کردار کا ایک اور نمونہ ہے جس میں مختلف محاذوں پر مجاہدین تک قائد کے پیغامات اور جنگ کے نقشوں کو اور قائد تک مجاہدین کی خبروں کو پہنچانا اور زخمیوں کی مرہم پٹی بالکل واضح اور عیاں ہے۔ ایک مجاہد فرحت سے پوچھتے یوسف کہتا ہے:

”یوسف: جمیلہ تمہارے یہاں پہنچی تھی کیا؟

فرحت: جی ہاں۔ آپ کا پیغام مل گیا تھا، دو سو مجاہد ”تبہ“ کی طرف بھیج دیئے گئے تھے!

یوسف: مگر جمیلہ؟

فرحت: (الفاظ کاٹتے ہوئے) یہاں نہیں آئی کیا؟

عبداللہ: نہیں!

فرحت: اس نے بتایا تھا کہ ندی کے محاذ پر کئی سپاہی دشمن کی بمباری سے زخمی ہو گئے ہیں۔ ان کی مرہم پٹی کے لیے جا رہی ہوں! یقیناً وہ اُدھر گئی ہوگی!“(۳۶)

دوسری جگہ پر ایک اور مجاہد حسن کہتا ہے:

”حسن ۔۔۔بارہ بجے کے قریب وہ ہمارے یہاں پہنچی تھی اور نقشہ دے کر چلی گئی تھی۔

یوسف: اس کے بعد!

حسن: زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کرنے جا رہی تھی۔“(۳۷)

ڈرامے میں مرزا ادیب نے بار بار جمیلہ کے آنے کے انتظار میں محاذ کے رہنما یوسف سعدی اور دوسرے مجاہدین کی سخت پریشانی، گہری تشویش اور اضطراب کو واضح کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں ذیل کے جملے:

”عبداللہ: ہماری مجاہدہ دشمنوں کے قبضے میں جا چکی ہے!

یوسف: (بڑے اعتماد سے) نہیں! ۔۔۔ہرگز نہیں! ۔۔۔۔ایسا نہیں ہو سکتا!

(یوسف سعدی ٹہلنے لگتا ہے، عبداللہ اور جلیل کرسیوں کی طرف بڑھتے ہیں۔ یوسف سعدی میز کے پاس رک کر عالم اضطراب میں ایک رائفل اٹھا لیتا ہے اور پھر ٹہلنے لگتا ہے۔ جلیل اور عبد اللہ کرسیوں پر بیٹھتے نہیں، کھڑے رہتے ہیں)

جلیل: اگر آج جمیلہ یہاں پہنچ گئی تو یہ ایک معجز ہوگا!

یوسف: جمیلہ خطروں کا مقابلہ کرنا خوب جانتی ہے وہ خطروں کا مقابلہ کر کے ضرور پہنچ جائے گی، ان شاءاللہ!“(۳۸)

دوسری جگہ پر کہتے ہیں:

”عبداللہ: اور جب وہ نہیں آئی تو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

جلیل: مگر میرا دل کہتا ہے وہ ضرور آئے گی۔

یوسف: ہاں۔ وہ ضرور آئے گی۔ ابھی اسے بہت کچھ کرنا ہے۔ اس کا فرض ختم نہیں ہوا۔

(دروازے کے باہر سے آواز آتی ہے ”وطن“۔ جلیل دروازے کی طرف جاتا ہے۔ باقی لوگ دروازے کو بڑے اضطراب سے دیکھنے لگتے ہیں)

یہ بھی جمیلہ کی نہیں، حسن کی آواز ہے۔

عبداللہ: حسن کے سوا اور کوئی نہیں!

(جلیل دروازہ کھولتا ہے۔ حسن آتا ہے۔ نحیف و نزار شخص۔ لباس، لمبا کرتہ اور پاجامہ۔ ہاتھ میں رائفل)

یوسف: (فوراً) جمیلہ کا کچھ پتہ؟ (۳۹)

دشمن کی مسلسل بے رحم بمباری کی وجہ سے بعض مجاہدین کا نقشہ بیکار ہو گیا۔ اس لیے حکمت عملی کچھ تبدیل ہوئی جس کی اطلاع مختلف محاذوں پر دوسروں کو ہونی چاہیے۔ مجاہدین دوڑتے ہیں۔ دشمن کی وحشیانہ بمباری کے باوجود ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ وہ یہ خطرناک کام کرے۔ یہ ان مجاہدین کی بہادری، دلیری، جرأت، بلند حوصلگی، غیر متزلزل یقین کا بہترین ثبوت ہے۔ وہ سب کے سب فتح یا شہادت پانے کی امید کرتے ہوئے اس خطرناک کام کرنے کی طرف دوڑتے ہیں۔ مرزا ادیب نے الجزائر کے مجاہدین کا یہ بلند حوصلہ ایک بہت اچھی گفتگو میں پیش کیا ہے۔ کہتے ہیں:

"یوسف: ندی پر مسلسل بمباری سے وہ نقشہ بیکار ہو گیا ہے جو عبدالکریم کو بھیجا گیا تھا۔ اب اس پر عمل نہیں ہونا چاہیے۔

جمیلہ: تو اب انہیں کیا کرنا چاہیے؟

یوسف: کیا کرنا چاہیے۔۔۔ (سوچتے ہوئے) کیا کرنا چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ وہ وہاں سے الگ ہو کر نشیبی حصے میں پہنچ جائے۔

جمیلہ: جاتی ہوں!

یوسف: نہیں!

جمیلہ: کیوں قائد!

یوسف: ندی پر دشمن بمباری کر رہا ہے، ممکن ہے اس نے پل بھی گرا دیا ہو۔ ندی کے پار کیوں کر جا سکو گی؟

فرحت: مجھے دوسرا راستہ معلوم ہے، جانے کی اجازت دیجئے!

حسن: میں تازہ دم ہوں قائد! یہ فرض میں ادا کروں گا!

عبداللہ: قائد! میں کل سے بے کار بیٹھا ہوں! یہ کام میرے ذمے کیوں نہیں کر دیتے، آخر مجھے بھی تو کچھ کرنا چاہیے!

جلیل: میں بھی عبداللہ کے ساتھ جاؤں گا۔

جمیلہ: یہ کام بہر حال میرا ہے۔ میں ہی کروں گی قائد!

عبداللہ: تم تھک چکی ہو جمیلہ! مسلسل کام کر رہی ہو!

جمیلہ: تھک چکی ہوں۔ تھکاوٹ کیا ہوتی ہے؟ میرے لیے تھکاوٹ صرف میری موت ہی لے کر آئے گی!

یوسف: جمیلہ! عبداللہ درست ہی کہتا ہے۔ نہ تم رات کو آرام کرتی ہو نہ دن کو۔ دو تین روز تک تمہارا صرف یہ کام ہے کہ گودام کے اندر جا کر آرام کرو۔

جمیلہ: قائد! یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں رائفل لے کر میدان میں نہیں جا سکتی، اب مجھے آپ اس سعادت سے تو محروم نہ کریں۔ میرا کام کوئی اور نہیں کر سکتا۔ میں ہی کروں گی۔"(۴۰)

دوسری جگہ مرزا ادیب پر کہتے ہیں:

"جمیلہ: یہ فرض میرا ہے قائد! ۔۔۔(دروازے کی طرف جانے لگتی ہے) مجھی کو کرنا چاہیے۔

عبداللہ: اسے روکیے قائد!

یوسف: میں نہیں روک سکتا۔ بڑھتا ہوا سیلاب کبھی نہیں رک سکتا!

(جمیلہ دروازے سے نکل جاتی ہے)

عبداللہ: مجاہدہ ہو تو ایسی ہو۔(یوسف سعدی اور باقی لوگ خاموش رہتے ہیں) قائد! کیا اب بھی ہمارا وطن آزاد نہیں ہوگا؟

یوسف: آزاد ہوگا۔ضرور ہوگا۔الجزائر کے مجاہدوں کی کوشش رائیگاں نہیں جائے گی!"(۴۱)

بے شک یہ ڈراما اس بیس سالہ لڑکی جمیلہ کی بہادری، دلیری اور صبر و استقامت کا آئینہ دار ہے جو ہمہ وقت وطن کی آزادی کے لیے مجاہدین کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہے اور اس کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہے آزاد الجزائر۔ ڈرامے کے وسط سے آخر تک اگرچہ اسے کربناک اذیتوں اور متواتر ظلم کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن پھر بھی کوئی فرانسیسی اس کے بلند حوصلوں کو سر کرنے میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ اس لیے اس بنیادی موضوع کو ابھارنے کے لیے مرزا ادیب نے بہت سے واقعات کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مجاہدین کی خفیہ قیام گاہ سے نکل جانے کے بعد جمیلہ تیزی سے دروازے پر یہ کہتے آتی ہے: دشمن۔۔۔ جلدی نکل جائیں۔ پھر چلی جاتی ہے تاکہ دوسرے مجاہدین نکل سکیں۔ اس طرح وہ دشمن کے قبضے میں چلی گئی جو بھرپور کوشش کرتے رہے کہ جمیلہ سے یوسف سعدی اور دیگر مجاہدین اور ان کی باقی خفیہ گاہوں کے بارے میں کوئی معلومات حاصل کر سکیں۔ لیکن جمیلہ نے دشمن کے لالچ اور ڈرانے کے باوجود صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ نہیں بتایا۔

اس کی گرفتاری کے بعد مقدمہ فوجی عدالت میں چلا، جس میں ہر چیز کی تیاری پہلے سے تھی: تین جرم، حسب مرضی دو گواہ اور پھانسی کی سزا۔ اس سب کے باوجود جمیلہ کے چہرے پر حسب معمول تابناکی، وقار اور جلال ہے۔ اسے وکیل کی ضرورت نہیں بلکہ اس نے اپنی وکالت خود کی۔ جمیلہ کہتی ہے:

"جمیلہ: جناب! پہلے جرم کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ اس ملک میں امن و امان کو میں اور میرے ساتھی نہیں،

وہ لوگ برباد کر رہے جنھیں ہمارے ملک سے کوئی ہمدردی نہیں اور جو ہمارے ہاتھوں میں غلامی کی زنجیریں پہنا رہے ہیں۔ آزادی کی جنگ کرنے والوں کی مدد کرنا کوئی جرم نہیں۔ اُسے وہی لوگ جرم کہتے ہیں جو آزادی کے فطری جذبے کو کچل دینا چاہتے ہیں۔ تیسرے الزام سے میں انکار کرتی ہوں۔‘‘(۴۲)

عدالت نے جمیلہ کی موت کا حکم سنایا لیکن جمیلہ نہایت دلیری اور بہادری سے کہتی ہے:

"جمیلہ: میں موت کا خیر مقدم کرتی ہوں۔ مگر پھانسی کے تختے کی طرف جانے سے پہلے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ میں کہنا چاہتی ہوں کہ فرانس ایک بڑا مہذب ملک تھا۔ اس ملک نے دنیا کی تہذیب وتمدن میں بڑا اضافہ کیا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اس کے انقلابیوں نے اپنے جابر حکمرانوں کا دامنِ ستم چاک چاک کر دیا تھا۔۔۔ یہ فرانس ہی تھا جس نے دنیا کو روشنی اور آزادی کا ایک نیا پیغام دیا تھا۔ مگر آج وہ فرانس ختم ہو چکا ہے۔ وہ فرانس مر چکا ہے۔ آج وہ فرانس انسانی درندوں کا وطن بن گیا ہے۔ آج فرانس ظلم وستم کے گہوارے کے سوا اور کچھ نہیں رہا۔۔۔۔ میں انصاف کی دہلیز پر کھڑے ہو کر پوچھتی ہوں کہ فرانس الجزائر کو کیوں اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ فرانس کو دنیا کے کس قانون نے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ الجزائر کے نہتے انسانوں پر گولیاں برسائے اور ان کا سب کچھ چھین لے! میرے جرم کا فیصلہ کرنے سے پہلے کاش آپ نے اپنے خون آلود ہاتھوں اور خونخوار سنگینوں کو تو دیکھ لیا ہوتا شاید آپ کا ضمیر بیدار ہو جاتا۔ میں فرانس کے انسانی ضمیر سے مایوس نہیں ہوں!

جنرل: لڑکی! ہم تمھاری یہ بکواس سننے کے لیے یہاں نہیں آئے!

جمیلہ: میں جانتی ہوں آپ کا فیصلہ کیا ہوگا مگر یہ فیصلہ سننے سے پہلے مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ ضرور کہوں گی۔ مجھے اپنے وطن سے محبت ہے اور میں اسے آزاد دیکھنا چاہتی ہوں! اور فقط اسی جرم کی پاداش میں آپ کے سپاہیوں نے مجھ پر متواتر ظلم کیا ہے۔ میں یہاں کس کس ظلم کا ذکر کروں۔۔۔۔ مجھے ہر وہ سزا دی گئی جس کا تصور دورِ وحشت کا انسان بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ہم اپنے وطن میں کسی کو ستائے بغیر عزت وآبرو کی زندگی چاہتے ہیں۔ مگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی زمین کی دولت، اپنے بیٹوں کی غیرت وجوانی اور اپنی بیٹیوں کا ننگ وناموس آپ کے حوالے کر دیں۔ یہ ہمیں منظور نہیں اور نہ کبھی ہوگا!

جنرل: بند کرو اپنی بکواس۔ تم عدالت کی توہین کر رہی ہو!

جمیلہ: آپ کے سپاہیوں نے مجھے ننگا کر کے مارا ہے مگر یاد رکھو تم نے الجزائر کی ایک بیٹی ہی کو ننگا نہیں کیا، اپنی صاف ستھری تہذیب کو بھی عریاں کر دیا ہے۔

جنرل: خاموش!

جنرل: (میز پر زور سے مکا مار کر) لے جاؤ اس خبیث کتیا کو پھانسی کے تختے پر۔

(سپاہی سنگینیں تانے جمیلہ کی طرف بڑھتے ہیں)

جمیلہ: جمیلہ کی آواز بند کر سکتے ہو مگر یہ نہ بھولو آج الجزائر کے ہر گھر میں ایک جمیلہ پیدا ہو چکی ہے۔ آج ہر گھر جنگِ آزادی کا محاذ بن گیا ہے۔ آج ہر گھر سے آزادی کا پرچم بلند ہو رہا ہے۔ (بلند آواز میں کہتی ہے) الجزائر زندہ باد! آزاد الجزائر پائندہ باد!!" (۴۳)

ڈرامے کے پانچویں اور آخری منظر میں شہادت کا موضوع واضح طور پر ابھرتا ہے کہ ایک سچا مسلمان شہادت سے محرومی پر مغموم ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے ملک کی آزادی کی خاطر اپنی جان کی قربانی دیتا ہے اس کی زندگی موت سے ختم نہیں ہوتی، اس لیے کہ شہید اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور ہمیشہ کے لیے اپنے قوم کے ضمیر اور اپنے ملک کی تاریخ میں زندہ رہتے ہیں۔

اس منظر میں جمیلہ اپنے گھر پر سخت مغموم اور خاموش حالت میں واپس آتی ہے۔ آنکھیں اشک آلود ہوتی ہیں کہ وہ کتنی بدقسمت ہے کہ جسے شہادت نصیب نہ ہو سکی۔ اس کی شہادت کی آرزو صرف آرزو ہی رہی۔

"(۔۔۔دروازے پر جمیلہ نظر آتی ہے۔ سخت مغموم حالت میں)

ماں: جمیلہ! (جمیلہ چپ چاپ اندر آنے لگتی ہے۔ ماں اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہے) کیا ہوا میری بچی!

جمیلہ: امی! میں بہت بدنصیب ہوں (آنکھیں اشک آلود ہو گئی ہیں)

ماں: ہوا کیا ہے؟

جمیلہ: میں شہادت سے محروم ہو گئی ہوں امی! فرانسیسی حکومت نے عین وقت پر پھانسی کا حکم منسوخ کر دیا۔ اور میری شہادت کی آرزو۔ آرزو ہی رہی۔

ماں: تو اس میں مغموم ہونے کی کیا بات ہے؟

جمیلہ: یہ بدقسمتی نہیں امی کہ مجھے شہادت نہیں مل سکی۔ میں پھانسی کی رسی کو چوم ہی نہیں سکی!" (۴۴)

دانش مند ماں اپنی نوجوان بیٹی جمیلہ کو مغموم نہ ہونے کا مشورہ دیتی ہے اس لیے کہ اگر اس کو شہادت نہیں مل سکی تو یقیناً آزادی ملے گی اور آزاد الجزائر کے پرچم کو بلند کرے گی جو الجزائر کے ہر علاقے پر لہرائے گا اور الجزائر کے سب لوگ اس کے سائے میں آزاد رہیں گے۔ وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے۔ ماں کہتی ہے:

”تجھے مغموم نہیں ہونا چاہیے۔ بالکل نہیں ہونا چاہیے میری بچی! ابھی ہمارا وطن غلامی کی زنجیروں سے گراں بار ہے۔ ابھی آزادی کی منزل دور ہے۔ وہ دیکھ۔ (پرچم کی طرف اشارہ کرتی ہے) وہ پرچم ابھی سرنگوں ہے، یہ پرچم ابھی آزاد الجزائر پر نہیں لہرایا۔ تو پھانسی کی رسی کو نہیں چوم سکی تو کوئی حرج نہیں ہے۔ تو آزاد الجزائر کے مقدس پرچم کو چومے گی۔ وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جب یہ پرچم ہمارے سروں کے اوپر آزادی کا پیغام بن کر اپنے بازو پھیلا دے گا۔ اور۔ ہم۔ میں۔ تو۔ الجزائر کے سب لوگ اس کے سائے میں کہیں گے۔ آزاد الجزائر زندہ باد۔ آزاد الجزائر پائندہ باد!

(ماں فضا میں دیکھ رہی ہے۔ جمیلہ ماں کو ٹکٹکی باندھے تک رہی ہے۔ اس کا چہرا ایک نئے عزم اور نئے جوش سے چمکنے لگا ہے۔“ (۴۵)

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) سیما ناز، ایم اے مقالہ " تحریکِ آزادیٔ فلسطین اور اردو ادب"، اورینٹل کالج یونی ورسٹی، ۲۰۰۲، ص ۶، بحوالہ / قمر رئیس" ڈاکٹر"، " پاکستانی ادب میں احتجاج کی آواز" مشمولہ، پاکستانی ادب ۱۹۹۴، مرتبین ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر رشید امجد، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۵، ص ۴۲۱

(۲) ایضاً، ص ۷، بحوالہ / ابرار احمد، " مزاحمتی ادب" مشمولہ، مزاحمتی ادب اردو، مرتب رشید امجد، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۵، ص ۴۹

(۳) فرمان فتح پوری، اردو فکشن کی مختصر تاریخ، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۰۶، ص ۲۰۳

(۴) محمد افتخار شفیع، اردو ادب اور آزادی فلسطین، کتاب سرائے، لاہور، 2011، ص. 117

(۵) مرزا حامد بیگ، اردو افسانے کی روایت (۱۹۰۳ـ۲۰۰۹ء)، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰، ص ۷۳۱ـ۷۳۲

(۶) شریف جور: روزنامہ "الاھرام" مصر، ۱۱ مارچ ۲۰۱۳، شمارہ ۴۶۱۱۶، ایضاً، روزنامہ ''الحیاۃ الفلسطینیۃ''، رام اللہ، ۱۵/ اپریل ۲۰۱۸، شمارہ ۸۰۳۵

(۷) میرزا ادیب، " فاطمہ برناوی" مشمولہ " فصیلِ شب"، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۱۹۴

(۸) ایضاً، ص ۱۹۴

(۹) ایضاً، ص ۱۹۶

(۱۰) ایضاً، ص ۱۹۶

(۱۱) ایضاً، ص ۱۹۵

(۱۲) ایضاً، ص ۲۱۷

(۱۳) ایضاً، ص ۲۱۰

(۱۴) ایضاً، ص ۱۹۵

(۱۵) ایضاً، ص ۱۹۵

(۱۶) ایضاً، ص ۱۹۶

(۱۷) ایضاً، ص ۲۱۸

(۱۸) ایضاً، ص ۲۱۹

(۱۹) ایضاً، ص ۲۱۱

(۲۰) ایضاً، ص ۲۱۲

(۲۱) ایضاً، ص ۲۰۸

(۲۲) ایضاً، ص ۱۹۶

(۲۳) الجزائر کی مجاہد جمیلہ بوحیرد کے ساتھ انٹرویو، مشمولہ، " المصری الیوم" اخبار، پیر ۲۴/ اگست ۲۰۱۷ء

(۲۴) سمیر محمود قدیح (ڈاکٹر)، مضمون " قصۃ المناضلۃ الجزائریۃ جمیلۃ بوحیرد" مشمولہ، " دنیا الوطن" اخبار، جمعرات ۱ جولائی ۲۰۱۰، ایضاً، الجزائر کی مجاہد جمیلہ بوحیرد کے ساتھ انٹرویو، مشمولہ، " المصری الیوم" اخبار، پیر ۱۴/ اگست ۲۰۱۷، ایضاً،

Erika Kuhlman, A To Z of Women in World History, Facts on File, First Edition, United States of America, 2002, p. 176.

(۲۵) منی امام، مضمون" تعرف علی المناضلۃ الجزائریۃ جمیلۃ بوحیرد فی ۱۸ معلومۃ" مشمولہ،" اخبار الیوم" اخبار، ہفتہ ۱۷ فروری ۲۰۱۸، ایضاً، مصطفیٰ عنبر، مضمون" مصر تحتفی بأیقونۃ النضال النسائی ـ الجزائریۃ جمیلۃ بوحیرد تصل القارۃ" مشمولہ،" الیوم السابع" اخبار، ہفتہ ۱۷ فروری ۲۰۱۸، ایضاً،

Erika Kuhlman, A To Z of Women in World History, p. 176.

Also, http://majles.alukah.net/t134845/.

(۲۶) کریم شکری، مضمون" المناضلۃ الجزائریۃ جمیلۃ بوحیرد" مشمولہ،" أفریقیا قارتنا" میگزین، گیارہواں شمارہ، مارچ ۲۰۱۴، ایضاً، الجزائر کی مجاہد جمیلہ بوحیرد کے ساتھ انٹرویو، مشمولہ،" المصری الیوم" اخبار، پیر ۱۴/ اگست ۲۰۱۷، ایضاً، https://en.wikipedia.org/wiki/Jamila,_the_Algerian.

(۲۷) میرزا ادیب،" جمیلہ" مشمولہ" فصیلِ شب"، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۱۵۷

(۲۸) ایضاً، ص ۱۵۷_۱۵۸
(۲۹) ایضاً، ص ۱۵۸_۱۵۹
(۳۰) ایضاً، ص ۱۶۱
(۳۱) ایضاً، ص ۱۶۲
(۳۲) ایضاً، ص ۱۶۴
(۳۳) ایضاً، ص ۱۶۴_۱۶۵
(۳۴) ایضاً، ص ۱۶۶
(۳۵) ایضاً، ص ۱۶۶_۱۶۷
(۳۶) ایضاً، ص ۱۶۹
(۳۷) ایضاً، ص ۱۷۰
(۳۸) ایضاً، ص ۱۶۸
(۳۹) ایضاً، ص ۱۶۹_۱۷۰
(۴۰) ایضاً، ۱۷۲_۱۷۳
(۴۱) ایضاً، ص ۱۷۴
(۴۲) ایضاً، ص ۱۸۳_۱۸۴
(۴۳) ایضاً، ص ۱۸۶_۱۸۸
(۴۴) ایضاً، ص ۱۸۹
(۴۵) ایضاً، ۱۸۹_۱۹۰

* * *